لاچار کتے اور کھوئے ہوئے آدمی

---- -----

رمضان کے مقدس مہینے کی انیسویں تاریخ کی ایک گرم کاہلی بھری دوپہر کو جب پورا شہر کووڈ -19 کی وجہ سے سخت لاک ڈاؤن کی زد میں تھا، مجھ سے 'فروٹ چاٹ' کے لیے کچھ پھل لانے کو کہا گیا۔ رمضان کے دوران، کھجور کے علاوہ، ہم مسلمان پھلوں کا مزہ لینا پسند کرتے ہیں۔
افطار کے لیے چاٹ اور تلسی (ببری شربت)کے بیج۔ ان دونوں پکوانوں کی محبت بہت پرانی نہیں بلکہ اس محبت کی اصل معلوم نہیں ہے،پھر بھی ہم سب جانتے ہیں کہ یہ وہی ہیں جنہیں ہم اشرافیہ(امیروں) کے پکوان کہتے ہیں۔(یا یوں کہیےحیثیت کی علامتیں)۔ غریب اب بھی سب سے سستی ممکنہ کھجوریں تلاش کرتے ہیں جو شاذ و نادر ہی دستیاب ہوتی ہیں۔
چونکہ پورا قصبہ محاصرے میں تھا اور پولیس کے ذریعہ جوانوں اور بوڑھوں کےپیٹے جانے کی کہانیاں میں نے سن رکھی تھیں۔اس لیے مین بازار جانے کے بجائے اپنے علاقے میں پھلوں کے چھوٹے کھوکھے کو ترجیح دی۔
ہمارے گھر کا استحقاق قصبے کی حدود کے دائرے سے تھوڑا باہر واقع ہونے کی وجہ سے لاکڈاؤن کی شدت تھوڑا کم تھی . مرکزی سڑک سنسان نظر آئی،صرف چند پولیس والے
اپنی بلٹ پروف جیکٹس اور ٹانگ پیڈز لگا کر بند دکانوں کے شٹروں سے ٹیک لگائے ہوئے تھے،
دبلے پتلے اور مکھیوں سے متاثرہ کتوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ شاید ہی کوئی انسانی نشان تھا۔
ان لاوارث کتوں کو دیکھ کر مجھے فیض احمد فیضؔ کی یاد تازہ ہوگئی
"یہ گلیوں کے آوارہ بیکار کتے۔
کہ بخشا گیا جن کو ذوقِ گدائی۔
زمانے کی پھٹکار سرمایہ اِن کا
جہاں بھر کی دھتکار انکی کمائی "
دو نوجوان جو شاید اپنے موبائل فون پر کوئی گیم کھیل رہے تھے اٹھے اور
مجھے انتہائی عقیدت کے ساتھ سلام پیش کی۔ اس سے پہلے کہ میں ان کی سلام کا جواب دیتا، لڑکے پہلے ہی اپنے موبائل فون میں مصروف ہو چکے تھے۔ ہمارے معاشرے میں اکثر اوقات اساتذہ کا احترام کیا جاتا ہے، (کبھی کبھی حقیقی طور پر)۔
اساتذہ کے احترام کے گراف میں مجموعی طور پر لوگوں کا الزام طلبہ اور ان کے والدین کےسر ڈالا جاتا ہے۔
اور! بدلے میں، والدین مجموعی اخلاقیات کا ذمہ دار پوری تدریسی برادری کو ٹھہراتے ہیں۔
معاشرے کی تنزلی کا زیادہ تر اساتذہ کے درمیان یہ الزامِ دیانتداری اور احتساب کے فقدان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔
راجو نے معصومانہ مسکراہٹ کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ راجو جو بمشکل بارہ سال کا تھا اور اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔
اس کے والد مبینہ طور پر اسمگلنگ کے الزام میں جیل میں تھے۔ گرچہ راجو اَن پڑھ تھا اس کے باوجوداس نے اپنی فروخت کا حساب رکھا اور اپنے بہن بھائیوں اور ماں کا پیٹ پالنے کے لیے اچھی کمائی کی۔ وہ اپنی انگلیوں پر حساب رکھتا، اور شائستہ انداز میں سودے بازی کرتا۔
جب میں پھل خرید رہا تھا تو وہاں دو نوجوان لڑکے نمودار ہوئے۔ میں ان کو اسی طرح پہچان سکتا تھا کیوں کہ وہ تقریباً ایک دہائی پہلے میرے شاگرد تھے۔ ایک لڑکا میرے پاس آیا اور ایک وسیع مسکراہٹ کے ساتھ اندر داخل ہوا۔
ایک پرجوش لہجے میں کہا، "گڈ آفٹرنون، سر"۔
میں نے جواب دیا، """گڈ آفٹرنون"
"شاہد ہوں:سر،" اس نے مجھے یاد دلانے کی کوشش کی۔ "آپ نے مجھے فزکس پڑھایا(سکھایا)تھا"۔
"اوہ ہاں، میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں؟ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے؟"
ایک مایوسی بھری آہ بھرتے ہوئے اس نے کہا، "کم از کم میں سانس لے رہا ہوں۔"
دوسرا جس کا نام مجھے یاد نہیں آپارہا تھا ،اس نے کیپری پینٹ اورگول گردن والی کمیز پہنی ہوئی تھی ۔اس کی داڑھی ایک فرانسیسی کٹ میں باریک تراشی ہوئی تھی اور اس کے بالوں کا انداز غیر معمولی تھا۔
میں نے مزید دیکھا کہ اس نے بڑی گول عینکیں پہن رکھی تھیں اور اس کی آنکھوں کےآس پاس پھٹے ہوے سیاہ حلقے تھے۔
ہاتھ میں سگریٹ لے کر وہ ہالی ووڈ کا کوئی گانا گنگنارہا تھا۔ اس نے ایک طرح سے میری طرف ایسے دیکھا گویا کہ اس سے رحم اور غصہ دونوں ٹپک رہا ہو۔
شاہد نے ایک دو منٹ مجھ سے بات کی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کے کالج کے بعد اس کے والد نے اس سے کہا

گاؤں کی سطح پر تدریسی اسامی کے لیےفارم لگا دیں اور اس طرح وہ سرکاری استاد کے طور پر منتخب ہو گئے۔
جو وہ کبھی نہیں بننا چاہتا تھا۔
اس نے مزید افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا، ”میری ماہانہ اجرت ایک مزدور سے کم ہے۔ اب میں اپنی روزی روٹی کمانے کے لیےاستعمال شدہ گاڑیوں اور بائکوں کی خرید و فروخت کرتا ہوں۔
کچھ دیر بعد شاہد اور اسکا دوسرا ساتھی چلے گئے۔
وہ دو نوجوان جو ابھی تک اپنے موبائل فون میں مگن تھے اٹھ کر میرے پاس آئے۔
لمبے کد والے نے کہا، ”کیپری پینٹ میں جو لڑکا تھا وہ ابصار ہے اور انہوں نے دو مضامین میں ماسٹرز کیا ہے“۔
دوسرے نے روکا اور کہا، "اس نے کشمیر کے ایک کالج سے باقاعدہ بی-اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔
لیکن وہ کبھی کشمیر نہیں گیا۔
وہ ہنسے ۰۰اور پھر اس لطیفے پر دل کھول کر ہنسے۔
لمبے کد والے نے پھر کہا، "وہ سول سروسز میں دو بار شرکت کیا، لیکن ناکام رہا۔ اس نے
کچھ اور سرکاری ملازمتوں میں بھی اپنی قسمت آزمائی لیکن وہ تحریری امتحانات میں کامیاب نہیں ہوسکے۔
انہوں نے مجھے مزید بتایا کہ ان تمام مایوسیوں کے بعد ابصار اب پی ۔ایچ۔ ڈی کر رہے ہیں۔یہاں تک کہ انہوں نے دسویں جماعت میں پوزیشن اور بارہویں جماعت میں امتیازی پوزیشن بھی حاصل کی تھی۔
جیسے جیسے مہینے گزر رہے ہیں، میں شاہد اور ابصار کے بارے میں سوچنا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں ہماری تعلیم کے مقاصد ،ہمارے امتحانی نظام، ڈگریاں حاصل کرنے کا طریقہ اور ہمارے والدین کے بچوں پر تھوپے گئے نمونہِ ھدف پر غور کرتا ہوں۔اور ساتھ میں ابھی بھی
ابصار کے گھٹیا رویے اور شاہد کی پریشانی پر غور کرتا رہتا ہوں۔